افکار و آراء

ایک خط ...... عنوان کی غلطی

الرحیم بابت ماہ مئی و جون [illegible] میں دو مقالہ جات بعنوان "صحت حدیث کی قطعیت کی حیثیت"
جناب ابوسلمان شاہجہان پوری نظر سے گذرے ممکن ہے میرے فاضل دوست اس کو میری
تنگ نظری یا سوء ادب پر محمول کریں اگر میں یہ کہنے کی جسارت کروں کہ یہ مقالہ جہاں قرآن اور
حدیث سے گہری بصیرت سے تہی داماں ہے وہاں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات
سے یکسر ناواقفیت کے آئینہ دار بھی ہے اور "الرحیم" جیسے مقصدی رسالہ میں صاحب مقالہ
کی معلومات کی عدم وسعت اور مطالعہ کی سطحیت ناگوار اور محل نظر ہوتی ہے۔

مجھے جناب ابوسلمان شاہجہان پوری کا حدیث کے موضوع پر مقالہ پڑھ کر بہت ہی مایوسی
ہوئی ہے جہاں تک اس موضوع کی اہمیت کا تعلق ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ صاحب مقالہ
علم اسلاف سے قبل محدثین اور فقہائے امت نیز متاخرین کی تصنیفات کو بالاستیعاب پڑھ لیتے
تاکہ پڑھنے والے مزید الجھنوں میں نہ پڑتے۔ مگر اس کے برعکس انہوں نے مولانا آزاد مرحوم و
مغفور کی تفسیر ترجمان القرآن سے سورت انبیاء سے متعلق تفصیلی کے متعلقہ پیراگراف
نقل کر دینے کے علاوہ اور کوئی تحقیق پیش نہیں کی۔ ان کا یہ رویہ اپنے موضوع سے ایک واضح
زیادتی ہے۔ مولانا آزاد مرحوم و مغفور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کا تذکرہ کرتے
ہوئے صحت حدیث کے متعلق اپنے نظریات کا یوں اظہار فرماتے ہیں۔

۱۔ بلاشبہ روایت صحیحین کی ہے لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے

بھی راویان حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔

۲- کسی روایت کے لئے بڑی سے بڑی جو بات کہی گئی ہے وہ اس کی صحت ہے۔ عصمت نہیں ہے اور صحت سے مقصود صحت مصطلح فن ہے نہ کہ صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن۔ (۳) پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں لیکن بہرحال غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے؛

۴- روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو بہرحال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں؛

مذکرۃ الصدر تشریحات میں مولانا ایک ہی بات کو مختلف انداز میں کہہ رہے ہیں۔ مگر واضح یہ ہے کہ اس میں تحقیق کی کوئی راہ نہیں ہے جہاں سے صحت حدیث کا تصور تشکیک کی بھول بھلیوں میں دھکھا جاتا ہو۔ حقیقت میں محدثین کرام اور فقہائے عظام نے صحت حدیث کی قطعیت کو کبھی بھی قرآن کی صحت کی قطعیت کے ہم پلہ قرار نہیں دیا مگر قطعیت کے اس معیار سے مراد روایت کے الفاظ کی صحت کی قطعیت ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "واضح ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت اخذ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ ظاہر قول سے حاصل کرنے کا ہے اور اس کے لئے اقوال نبوی کی نقل ضروری ہے۔ خواہ یہ نقل متواتر ہو یا غیر متواتر۔ اور متواتر کی ایک قسم وہ ہے جس کے الفاظ بھی متواتر ہوتے ہیں جیسے قرآن مجید اور چند احادیث۔ ان میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ "روز قیامت تم اپنے رب کو صاف صاف دیکھوگے"۔ اور متواتر کی ایک قسم وہ ہے جس کے معنی متواتر ہوتے ہیں" حقیقت یہ ہے کہ ان مبارک اور باکمال انسانوں کی لازوال محنت اور شبانہ روز محبت حدیث کی صحت قطعی کو برقرار رکھنے کی سعی مشکور کی ایک سنہری تاریخ ہے۔ اگر بدقسمتی سے حدیث کی صحت جیسا اہم ترین مقصد ان کے سامنے نہ ہوتا اور وہ بھی احادیث کے اس ذخیرے کو غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تو واقعہ یہ ہے کہ ساری امت کو سنت نبوی کو جو کہ اسلامی آئین و قانون کا مستند ترین ماخذ ہے، حدیث اور روایات کے ذریعہ معلوم کرنے میں ہمیشہ تامل ہوتا۔ ان کے نزدیک اگر کوئی روایت متن یا معنی کے اعتبار سے بالتواتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یقینی طور پر ثابت

ہو تو اس کو قبول کرنا اس پر عمل کرنا اور اسلامی قانون و آئین کا ماخذ سمجھنا باجماع امت واجب ہوگا چنانچہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی غیر معصوم راویوں کی شہادتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "پس ہم کہتے ہیں کہ صحت اور شہرت کے لحاظ سے کتب حدیث کے چار درجات ہیں۔ اول متواتر جس کے قبول کرنے اور عمل کرنے پر امت کا اجماع ہے۔ متصل مرفوع احادیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ "لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔ پس محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں اور یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچتی ہیں اور جو ان کی عظمت نہ کرے وہ مبتدع ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔"

مجھے یہاں تفصیل میں جانے کا موقعہ نہیں ہے مگر اتنا عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ صحت حدیث کی قطعیت کا یہ معیار کہ کہیں کسی حدیث یا روایت کا قرآن مجید سے کوئی تعارض نہ ہو خود محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی حقیقت بین نگاہوں سے کبھی بھی اوجھل نہ تھا۔ اور جب امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما اپنی اپنی صحیح میں اسی حدیث کو جو مولانا کے اس تصور حدیث کی بنیاد ہے نقل کر رہے تھے اس وقت عصمت انبیاء جیسا اہم اور بنیادی مسئلہ ان سے کبھی بھی پوشیدہ نہ تھا اور نہ وہ اس سے ناواقف تھے جہاں تک کسی حدیث کے قرآن سے متعارض نہ ہونے کے معیار کا تعلق ہے اتنی سی گذارش ضرور کروں گا کہ احادیث اور روایات کا بیشتر حصہ ظاہری اعتبار سے متعارض نظر آتا ہے مگر خود محدثین اور فقہائے کرام نے اپنی دقت نظر اور مزاج شناسی رسول کے عمدہ مذاق سے ہمیشہ فن تعبیر سے کام لیا جس سے یہ ظاہری تعارض بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور امت کے لئے ہر زمانے کی مقتضیات کے مطابق عمل کی راہیں بھی کشادہ ہو جاتی ہیں مگر کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ خود حدیث یا روایت کو ہی جو متعارف معیار کے مطابق درست ہو، حرف غلط کی طرح موقوف کر دیا ہو۔ ان حقائق کے پیش نظر حضرت ابراہیم کے کذب کی حدیث کو حجت بنا کر تشکیک کی راہ پیدا کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے حالانکہ خود قرآن مجید میں اس کا قرینہ موجود ہے کاش لفظ کذب کی شرعی اور لغوی حیثیت بھی معلوم کر لی گئی ہوتی تاکہ پتہ چل جاتا کہ اسی ایک حدیث کی موجودگی سے امت پر سہولت اور یسر کی کتنی راہیں کھل گئی ہیں۔

جہاں تک خود مولانا آزاد مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے ہم ان کی علمی جلالت کے آگے اپنے آپ کو طفل مکتب سے بھی کم خیال کرتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے کہ حقائق سے صرف نظر کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ حدیث کے قرآن سے سطحی اور ظاہری تعارض کو قبول نہ کرتے ہوئے حدیث کو محض غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ قرار دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف وہ خود محض ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیقات اور روایات کو جو کہ سراسر ظنی اور وہمی ہوتی ہیں۔ بنیاد بنا کر قرآن مجید کی تفسیر اور نتائج کا استخراج کرتے ہوئے حدیثی اور روایتی تفسیر قرآن کی تاریخ کی بہت سی "بوالعجبیوں" کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ظنی اور وہمی تحقیقات تفسیر قرآن کا مستند ترین ماخذ ہے۔ چنانچہ قرآن کے ذوالقرنین کو وہ قطعی طور پر سائرس خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ مولانا کے اس قطعی یقین کا ماخذ کوئی خدا کا فرمودہ نہیں بلکہ وہی ظنی اور وہمی تحقیقات ہیں جن میں خود ماہرین کی اپنی قومی عصبیت کارفرما ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یاجوج ماجوج کے متعلق مولانا کا یہ کہنا کہ "قرآن نے سورت انبیاء میں ان کے جس خروج کی خبر دی ہے وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا" قرآن مجید کی نصوص اور احادیث رسول اللہ علیہ وسلم کی خبروں کے بالکل برعکس ہے۔ مگر مولانا جس جزم و یقین سے اسی وہمی اور ظنی تحقیقات کو اپنے قطعی نتائج کی بنیاد قرار دیتے ہیں اس سے حدیث کے متعلق ان کا متذکرۃ الصدر تصور بجائے خود بوالعجبی ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام — وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اگر میرے فاضل دوست اپنے مقالے کا عنوان صحت حدیث کی قطعیت کے بارے میں مولانا آزاد کا تصور رکھتے تو بہت بہتر ہوتا عنوان کی یہ غلطی محل نظر ہے۔

میرے خیال میں اسلام پر فتنوں کی یلغار کے اس دور میں ہمیں زبان و قلم کے بے محابہ استعمال کے نتائج سے بے پروا نہیں ہونا چاہیئے۔ آج جتنے فتنہ سر اٹھا رہے ہیں ان میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تشکیک کا فتنہ سرفہرست ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ اگر حدیث کے متعلق تشکیک کی راہ نے جڑ پکڑ لی تو پھر ایک وقت ایسا بھی جلد آ جائیگا جب کہ سنت رسول اللہ علیہ وسلم کو اسلامی آئین و قانون کا ماخذ تسلیم کرنے میں ارباب بست و کشاد متامل ہونگے ان حالات میں میں فاضل مقالہ نگار سے بصد ادب عرض کروں گا کہ کسی تحقیقی مقالے کا یہ ایک بنیادی اقتضا ہوتا ہے کہ اس کے ما لہ و ما علیہ پر بھرپور نظر ہو تا کہ لکھنے کی غرض و غایت بوجوہ احسن پوری ہو۔

ظفر ڈا۔ گوجرانوالہ